7

جماعت کے مخلص دوست اپنا پورا زور لگائیں کہ ہر احمدی تحریک جدید میں حصہ لے

(فرمودہ 12 فروری 1954ء بمقام ربوہ)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''میں پچھلے دو ہفتوں سے تحریک جدید کے متعلق خطبات دے رہا ہوں۔ اِس جمعہ پر بھی مَیں اِسی سلسلہ میں کچھ باتیں کہنی چاہتا ہوں۔ پچھلے جمعہ میں مَیں نے بتایا تھا کہ گزشتہ سال کے تحریک جدید کے وعدوں سے اِس سال کے وعدوں کا فرق قریباً پچاس ہزار کا تھا۔ آخری ایام میں خداتعالیٰ کے فضل سے جماعت نے اچھی کوشش کی ہے اور تحریکِ جدید کا جو ہفتہ منایا گیا تھا اس میں جماعت کے دوستوں نے خوب سرگرمی سے کام کیا۔ چنانچہ جماعتوں کی طرف سے جو رپورٹیں آئی ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سی جماعتوں میں بیداری پیدا ہو رہی ہے اور اب کُل فرق پچاس ہزار سے اُتر کر تیس ہزار کا رہ گیا ہے اور کل سے اِس وقت تک جو وعدے وصول ہوئے ہیں اُن کا اندازہ کرتے ہوئے میں سمجھتا ہوں کہ غالبًا یہ فرق پچیس ہزار سے بھی کم رہ جائے گا۔ ابھی نئی مقرر کردہ تاریخ کے لحاظ سے

وعدوں میں دس دن باقی ہیں اور وعدوں کے یہاں پہنچنے میں بھی پانچ دس دن لگ جائیں گے۔ اگر ان دنوں میں بھی جماعت کے احباب اُسی طرح کوشش کرتے رہے جس طرح وہ پہلے چند دن کرتے رہے ہیں تو مجھے یقین ہے کہ نہ صرف وہ فرق دور ہو جائے گا جو اِس سال کے وعدوں میں اور پچھلے سال کے وعدوں میں ہے بلکہ اِس سال کے وعدے پچھلے سال کے وعدوں سے بڑھ جائیں گے۔☆

میں دیکھتا ہوں کہ بیرونی ممالک میں اسلام کی تڑپ پیدا ہو رہی ہے اور یہ تڑپ نہ صرف غیر مسلم ممالک میں پیدا ہو رہی ہے بلکہ مسلم ممالک میں بھی پیدا ہو رہی ہے اور ان میں یہ احساس پیدا ہو رہا ہے کہ وہ اپنے بچے غیر ملکوں میں بھیجیں تا کہ وہ دینی تعلیم حاصل کریں اور اِس طرح وہ اپنے علاقوں میں اسلام کو مضبوط کر سکیں۔ چنانچہ پرسوں ہی مجھے سوڈان کی جماعتِ اسلامیہ کی طرف سے چٹھی آئی ہے کہ آپ اپنی جماعت کی طرف سے ہمارے کچھ لڑکوں کو وظیفے دیں تا کہ وہ دوسرے ممالک میں جا کر اسلام کی تعلیم حاصل کر سکیں اور اس طرح نہ صرف ہر سال ہمارے ملک کی تعلیم ترقی کرے بلکہ اسلامی ممالک سے ہمارے تعلقات بھی مضبوط ہوں۔ ہر ملک میں کچھ خصلتیں ہوتی ہیں جن کی وجہ سے وہ اپنے قرب و جوار کے علاقہ میں ایک فضیلت حاصل کر لیتا ہے۔ مثلاً یورپ کے ملکوں میں ذاتی کریکٹر اور محنت کی عادت ایسی پائی جاتی ہے جو ابھی تک ایشیائی ممالک میں پیدا نہیں ہو سکی۔ وہاں لوگ اس قدر محنت کرتے ہیں کہ اُن کے آگے ہمارے ملک کے رہنے والوں کی محنت

☆ مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اب جبکہ وعدے قریباً پورے ہو گئے ہیں سال اول کے وعدوں میں چھبیس ہزار کا فرق ہے۔ اگر سب دوست دس فیصدی کم کرتے تب بھی تیئس ہزار کا فرق ہونا چاہیے تھا مگر وعدے کم کرنے والے بیس فیصدی بھی نہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دس فیصدی کے قریب لوگوں نے وعدہ کیا ہی نہیں۔ ایک اعلیٰ نیکی کے کام میں حصہ لینے کے بعد یہ غفلت قابلِ افسوس ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن پر رحم فرمائے۔ دفتر دوم کے وعدوں میں زیادتی ہے گو امید کے مطابق نہیں مگر بہرحال زیادتی ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہ ۔ خدا کرے اب ادائیگی میں بھی چُستی ہو اٰمین۔

بالکل ہیچ نظر آتی ہے۔ اگر ہمارے سامنے خداتعالیٰ کے وعدے نہ ہوں تو انہیں دیکھ کر ہمیں مایوسی ہوتی ہے کہ اُن حالات میں ہم اُن کا مقابلہ کیسے کر سکتے ہیں۔ ان کے عورت، مرد اور بچے سب کام میں لگے ہوئے ہوتے ہیں۔ اُن کے دلوں میں امنگیں پائی جاتی ہیں اور ان میں سے کوئی شخص نہیں چاہتا کہ وہ اپنے مقام پر ہمیشہ کھڑا رہے۔ یا ہمارے ملک کے لوگوں کی طرح یہ نہیں چاہتا کہ دوسرے لوگ اسے سہارا دے کر کھڑا کریں۔ ہمارے ملک میں اگر کوئی شخص ذرا سی تکلیف میں بھی مبتلا ہو جاتا ہے تو وہ اپنے دائیں بائیں دیکھنے لگ جاتا ہے۔ اور پھر اسلامی تعلیم کی کمی کی وجہ سے چونکہ مذہب کا مادہ کم ہو گیا ہے اس لیے وہ یہ نہیں کرتا کہ اپنے نمونہ سے لوگوں کے اندر مدد کی تڑپ پیدا کرے بلکہ لوگوں کے خلاف یہ پروپیگنڈا شروع کر دیتا ہے کہ وہ اس کی مدد نہیں کرتے۔

ہمارے ملک کی حالت ایسی ہو رہی ہے جیسے لطیفہ مشہور ہے کہ کوئی سپاہی کسی سڑک سے گزر رہا تھا کہ اُس کے کان میں آواز آئی کہ میاں! اِدھر آؤ، میاں! اِدھر آؤ۔سڑک کے قریب ہی جنگل تھا جس سے آواز آ رہی تھی۔ وہ سڑک چھوڑ کر جنگل کی طرف گیا اور اس نے دیکھا کہ دو آدمی لیٹے ہوئے ہیں۔ اُس نے اُن سے دریافت کیا کہ تم پر کیا مصیبت پڑی ہے جس کی وجہ سے تم نے مجھے بلایا ہے؟ ان میں سے ایک نے کہا یہاں اوپر کی بیری سے ایک بیر گر کر میرے سینہ پر آ پڑا ہے تم یہ بیر اُٹھا کر میرے منہ میں ڈال دو۔ سپاہی کو غصہ آیا کہ اتنی چھوٹی سی بات کے لیے اسے تکلیف دی گئی ہے اور اس کا سفر خراب کیا گیا ہے۔ چنانچہ سپاہی اُس سے تُرشی سے پیش آیا اور اُس نے کہا تم بڑے بے حیا اور بے شرم ہو۔ کیا تم خود بیر اُٹھا کر منہ میں نہیں ڈال سکتے تھے؟ اِس پر دوسرا شخص کہنے لگا میاں! جانے دو۔ کیوں ناراض ہوتے ہو؟ اِس شخص کی حالت ہی ایسی ہے۔ ساری رات کُتا میرا منہ چاٹتا رہا لیکن اس کمبخت سے اتنا بھی نہیں ہوا کہ اسے ہُشت کرتا۔ یہ بات سُن کر سپاہی بالکل مایوس ہو گیا اور اُس نے سمجھ لیا کہ انہیں کچھ کہنا بے فائدہ ہے۔ چنانچہ وہ اپنے سفر پر چلا گیا۔ ہمارے سارے ملک کی یہی حالت ہے۔ ہر شخص یہ امید کرتا ہے کہ اُسے دوسرے لوگ اُٹھائیں۔ اور اگر دوسرے لوگ اُسے نہیں اُٹھاتے تو اُسے اُن سے شکوہ ہوتا ہے۔

اور میں دیکھتا ہوں کہ ہماری جماعت میں بھی یہ بات پائی جاتی ہے۔ سینکڑوں آدمی ایسے ہیں جو جماعت کے وظائف سے پڑھ کر انٹرنس تک تعلیم حاصل کر چکے ہیں یا وہ بی۔اے یا ایم۔اے ہو چکے ہیں لیکن پھر بھی وہ یہ شکوہ کرتے ہیں کہ جماعت نے ان کی پوری مدد نہیں کی۔ انہیں یہ کبھی خیال نہیں آتا کہ جن لوگوں نے انہیں مدد دی ہے اُن کی حالت بھی اُن جیسی ہی ہے۔ کئی لوگ ایسے ہیں جنہوں نے چندے دیئے اور اِس مالی بوجھ کو برداشت کرنے کی وجہ سے انہوں نے اپنے بچوں کی تعلیم خراب کر لی۔ اور پھر اگر وہ اپنے خرچ پر پڑھتا تو شاید انٹرنس پاس کر لیتا یا ایف۔اے کر لیتا لیکن جماعت کی مدد سے اُس نے بی۔اے یا ایم۔اے پاس کر لیا ہے۔ مگر بجائے اِس کے کہ وہ احسان مند ہو اور یہ ارادہ کر لے کہ اب وہ دوسروں کو تعلیم کے سلسلہ میں مالی مدد دے گا وہ جماعت سے اِس بات کا شکوہ کرتا ہے کہ اس نے پوری طرح اُس کی مدد نہیں کی۔ دوسرے ملکوں میں یہ بات نہیں پائی جاتی۔ جماعتیں اور سوسائیٹیاں تو الگ رہیں وہ لوگ ماں باپ سے بھی مدد نہیں لیتے۔

ایک دفعہ چودھری ظفراللہ خاں صاحب نے مجھے ایک قصہ سنایا۔ جب وہ پہلی دفعہ امریکہ گئے اُس وقت وہ وزیر نہیں ہوئے تھے۔ اب تو اُن کی تقریروں اور خدمات کی وجہ سے ایک خاص اثر قائم ہو چکا ہے لیکن جب وہ نئے نئے امریکہ گئے تھے تو اُس وقت ہمارے مبلغوں کی امداد بھی ان کے لیے بڑی کارآمد ہوتی تھی۔ ایک دن انہوں نے سیر کے لیے باہر جانے کا ارادہ کیا تو انہوں نے مبلغ سے کہا کہ وہ انہیں کوئی ایسا آدمی دے جو سیر کرا دے۔ چنانچہ مبلغ نے انہیں چودہ پندرہ سال کا ایک لڑکا دیا اور کہا کہ یہ ہوشیار لڑکا ہے، یہ آپ کو سیر کرا دے گا۔ وہ لڑکا چودہ پندرہ سال کا تھا یا سولہ سترہ سال کا۔ بہرحال اُس کی عمر تعلیمی تھی۔ چودھری صاحب نے بتایا کہ اُس لڑکے کی باتوں سے پتا لگتا تھا کہ وہ نوکری کرتا ہے اور اُس کی باتوں سے یہ بھی پتا لگتا تھا کہ اُس کا باپ اچھا مالدار ہے۔ چودھری صاحب نے بتایا کہ میں نے اُس لڑکے سے کہا میاں! تمہارا باپ مالدار ہے وہ تمہیں تعلیم کیوں نہیں دلاتا؟ اِس پر مجھے یوں محسوس ہوا کہ گویا اُس کی ہتک ہو گئی ہے اور وہ بڑے جوش سے کہنے لگا میں کسی کی مدد کیوں لوں؟ میرا باپ اپنی محنت سے بڑا بنا ہے، میں بھی اپنی محنت سے بڑا بنوں گا۔

مجھے کسی سے مدد لینے کی ضرورت نہیں۔☆ یہی وجہ ہے اُن کے اِس قدر ترقی کر جانے کی۔ ان کے بڑے آدمیوں کو دیکھ لو۔ ان میں سے اکثر ایک کنگال شخص کی حیثیت سے اُٹھے ہیں۔

ہمارے بڑے بھائی میرزا سلطان احمد صاحب مرحوم جو مرزا عزیز احمد صاحب کے والد تھے ابھی احمدی نہیں ہوئے تھے کہ وہ یورپ گئے۔ انہوں نے بتایا کہ جب میں یورپ گیا تو ایک شہر میں چند دوستوں سے مل کر ایک مکان کرایہ پر لیا۔ ایک لڑکی اُس مکان والوں کی خدمت کیا کرتی تھی۔ ایک دن انہوں نے دیکھا کہ لڑکی رو رہی ہے اور اس کی آنکھیں رونے کی وجہ سے سُوجی ہوئی ہیں۔ ہم نے سمجھا کہ شاید اس کا کوئی رشتہ دار مر گیا ہے جس کی وجہ سے وہ رو رہی ہے۔ چنانچہ ہم نے اُس سے دریافت کیا کہ اُس کے رونے کا کیا سبب ہے؟ تو اُس نے بتایا کہ اُسے جو تنخواہ ملتی تھی وہ اُس کی جیب سے گر گئی ہے۔ ہم جانتے تھے کہ اس لڑکی کے والدین کماتے تھے بیکار نہیں تھے۔ چنانچہ ہم نے اُس لڑکی سے کہا تم روتی کیوں ہو؟ تم لاوارث تو نہیں ہو۔ تمہارے والدین زندہ موجود ہیں اور وہ کماتے ہیں۔ تمہیں رونے کی کیا ضرورت ہے؟ تو اُس لڑکی نے ہمیں بتایا کہ میرے والدین مجھے ایک دن بھی روٹی نہیں دیتے۔ ہمارے ملک میں اس قسم کی کوئی مثال نہیں پائی جاتی۔ ماں باپ خود فاقے کریں گے اور اپنے بچوں کا پیٹ پالیں گے۔ لیکن یورپین ممالک میں بچوں میں حوصلہ پیدا کرنے کے لیے یہ طریق جاری ہے کہ جب بچے جوان ہو جاتے ہیں اور کام کاج کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں تو وہ اُن سے کہتے ہیں جاؤ! اور کما کر لاؤ۔ عام طور پر ماں باپ اپنے بچوں سے کھانے کا خرچ لیتے ہیں لیکن بعض لوگ بچوں سے مکان کا کرایہ تک بھی لیتے ہیں۔ وہ اُن سے کہہ دیتے ہیں کہ مکان کے ایک کمرہ میں تمہاری چارپائی بچھی ہے تم اُس جگہ کا کرایہ دو۔ لیکن ہمارے ہاں بچہ چھ سات سال کا ہوتا ہے تو پڑھنے کے لیے مدرسہ بھیجا جاتا ہے اور پھر وہ ہر سال فیل ہوتا جاتا ہے۔ اور بعض اوقات وہ بیس بیس، پچیس پچیس سال کی عمر کا ہو جاتا ہے

☆ اِدھر ہمارے بچوں کی یہ حالت ہے کہ تیس تیس سال کے ہو کے ماں باپ کی امداد پر نظر لگی رہتی ہے۔ میرے اپنے بچوں کا یہی حال ہے اور مجھے ہمیشہ فکر رہتا ہے کہ اس ہمت کے ساتھ انہوں نے دنیا کی اصلاح کیا کرنی ہے۔

لیکن اُس کے ماں باپ اُس پر خرچ کرتے ہیں اور اُس بچے کو یہ احساس بھی نہیں ہوتا کہ وہ اپنی تعلیم ہی مکمل کر لے۔ پھر اکثر بچے ایسے ہوتے ہیں کہ جب وہ کمانے لگتے ہیں تو والدین کی مدد نہیں کرتے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اُن پر صرف اپنی اولاد کی خدمت کرنا فرض ہے۔ اور بعض نوجوان تو ایسے ہوتے ہیں جو سینما دیکھتے ہیں، عیاشیاں کرتے ہیں لیکن جب کوئی ان سے کہے کہ میاں! تم اپنے والدین کو بھی کچھ بھیجا کرو تو وہ کہہ دیتے ہیں کوئی پیسہ بچے تو بھیجیں۔ کوئی پیسہ بچتا ہی نہیں۔ والدین کو کہاں سے دیں۔

غرض ان ممالک کے حالات اِس قسم کے ہیں کہ اُن لوگوں کی محنت کو دیکھ کر مایوسی ہوتی ہے کہ ایسے حالات میں ہم انہیں شکست کیسے دیں گے۔ لیکن پھر بھی اُن کے اندر ایک احساس کمتری پیدا ہو رہا ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ کوئی ایسی چیز ہے جو اُن کے پاس نہیں اور ایشیائیوں کے پاس ہے۔ یہ احساسِ کمتری ابھی زیادہ نمایاں نہیں کہ بڑے اور چھوٹے سب لوگوں میں پایا جائے لیکن تاہم ایک طبقہ اُن کے اندر ایسا پیدا ہو گیا ہے کہ جو سمجھتا ہے کہ اُن کے پاس دولت ہے، مال ہے لیکن انہیں دل کا چین نصیب نہیں۔ وہ لوگ شرابیں پیتے ہیں، سینما دیکھتے ہیں، ناچ اور گانوں میں دن گزارتے ہیں لیکن جب نشہ اُتر جاتا ہے اور وہ چارپائی پر جا کر لیٹتے ہیں تو انہیں یوں معلوم ہوتا ہے کہ ان کے اندر کوئی خلا پایا جاتا ہے اور وہ خلا سوائے تعلق باللہ اور دین کے اَور کوئی چیز پُر نہیں کر سکتی۔ دنیا کی ہر نعمت کو حاصل کر لینے کے بعد بھی اُن کے اندر یہ حسرت ہوتی ہے کہ کوئی چیز ایسی ہے جو اُنہیں حاصل نہیں اور وہ حاصل ہونی چاہیے۔

خداتعالیٰ سے محبت ایک ایسی نعمت ہے کہ جب وہ کسی شخص کو مل جاتی ہے تو دنیا کے سارے غم مٹ جاتے ہیں اور اسے کوئی حسرت باقی نہیں رہتی۔ اسے کسی چیز کی خواہش پیدا نہیں ہوتی۔ عارضی غم بیشک آتے ہیں مثلاً کسی کو کانٹا چُبھ جائے تو اس کے نتیجہ میں اُسے درد تو ہوتی ہے لیکن اُسے کوئی شخص بیماری نہیں کہتا۔ اِسی طرح عارضی تکلیفیں اور غم تو آتے ہیں لیکن یہ غم ان کے رستہ میں روک نہیں بنتے اور اپنے اپنے درجہ کے مطابق انہیں امن اور آرام حاصل رہتا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاول سنایا کرتے تھے کہ ایک بڑھیا تھی جو بہت نیک تھی۔ ایک دن میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ میں کسی طرح اُس کی مدد کروں۔ چنانچہ میں اُس بڑھیا کے پاس گیا اور اُس سے کہا کہ مائی! میرے دل میں خواہش پیدا ہوئی ہے کہ میں کسی طرح تمہاری مدد کروں۔ تمہیں کوئی خواہش ہو تو مجھے بتاؤ تا میں اسے پورا کر کے دل کی خوشی حاصل کروں۔ اُس بڑھیا نے آپ کا نام لے کر کہا نورالدین! اللہ تعالیٰ نے مجھے بہت کچھ دیا ہے مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ آپ نے کہا مائی! پھر بھی۔ تم غریب عورت ہو اگر کسی طرح میں تمہاری مدد کر سکوں تو یہ بات میرے لیے بڑی خوشی کا موجب ہو گی۔ مگر اُس بڑھیا نے پھر بھی یہی کہا اللہ تعالیٰ نے مجھے سب کچھ دیا ہے مجھے کسی اَور چیز کی خواہش نہیں۔ فلاں شخص کے گھر سے دو روٹیاں آ جاتی ہیں۔ ایک روٹی میں کھا لیتی ہوں اور ایک روٹی میرا بیٹا کھا لیتا ہے۔ اور ایک لحاف ہمارے پاس ہے جس میں ہم دونوں ماں بیٹا ایک دوسرے کی طرف پیٹھ کر کے سو جاتے ہیں۔ جب میرا بازو تھک جاتا ہے تو میں اپنے بیٹے سے کہہ دیتی ہوں بیٹا! ذرا کروٹ بدل لو! تو وہ کروٹ بدل لیتا ہے اور اِس طرح میں دوسرے پہلو پر سو جاتی ہوں اور جب لڑکے کا بازو تھک جاتا ہے تو وہ مجھ سے کہہ دیتا ہے ماں! ذرا کروٹ بدل لو، اور میں کروٹ بدل لیتی ہوں اور وہ دوسرے پہلو پر سو جاتا ہے۔ بیٹا! بڑے مزے ہیں۔ مجھے کسی اَور چیز کی ضرورت نہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاول فرمایا کرتے تھے کہ یہ بات سن کر مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ اِس قسم کی غربت میں بھی وہ کتنی خوش ہے۔ اِس کی وجہ یہی تھی کہ نیکی کی وجہ سے اُسے کسی قسم کی تکلیف محسوس نہیں ہوتی تھی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاول فرماتے تھے کہ میں نے پھر اصرار کیا کہ مائی! پھر بھی تمہیں کوئی خواہش ہو تو مجھے بتاؤ میں اسے پورا کر کے ثواب حاصل کر سکوں۔ اُس عورت نے کہا عمر رسیدہ ہونے کی وجہ سے میری نظر کمزور ہو گئی ہے۔ میرے پاس جو قرآن کریم ہے وہ باریک لفظوں والا ہے میں تلاوت کرتی ہوں تو نظر تھک جاتی ہے۔ اگر تم موٹے الفاظ والا قرآن کریم لا دو تو میں اپنی خواہش کے مطابق زیادہ دیر تک تلاوت کر سکوں۔

یہ حالت جو اطمینان کی ہوتی ہے دین کی وجہ سے نصیب ہوتی ہے اور اِس وجہ سے

حاصل ہوتی ہے کہ انسان کو خداتعالیٰ نظر آ جاتا ہے۔ جب اُسے خداتعالیٰ نظر آ جاتا ہے تو دنیا کی سب چیزیں اُس کے سامنے سے ہٹ جاتی ہیں۔ دنیا کی کوئی چیز اُس کے اندر غم پیدا نہیں کرتی۔ کوئی چیز اُس کے دل کی طاقتوں کو توڑتی نہیں۔

غرض یورپ کے لوگ یہ محسوس کرنے لگے ہیں کہ اُن کے پاس بیشک دولت ہے لیکن پھر بھی اُنہیں دل کا چین نصیب نہیں اور اسے حاصل کرنے کے لیے اُن کے اندر خواہش پیدا ہو رہی ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ ان تک خداتعالیٰ کی آواز پہنچائی جائے تا وہ بھی اس پر غور کریں۔ اور غرباء میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اسے قبول کر لیتے ہیں۔ اِسی طرح تعلیم یافتہ لوگوں کو بھی اس طرف توجہ ہو رہی ہے۔ یہ چیز جو غیر ممالک میں پیدا ہو رہی ہے اسے پورا کرنا ہماری جماعت کے سِوا اَور کسی کا کام نہیں۔ ہم بیشک تھوڑے ہیں، غریب ہیں، کنگال ہیں۔ ہم میں سے بڑے سے بڑا دولت مند آدمی یورپ کے درمیانے درجہ کے لوگوں سے بھی نچلی حیثیت کا ہے۔ اُن کے ہاں درمیانے درجے کا آدمی لاکھ پتی ہوتا ہے لیکن ہمارے ہاں صرف چند ایسے آدمی ہیں جن کے پاس لاکھوں روپے ہیں اور وہ بھی لاکھ پتی نہیں کہلا سکتے۔ لاکھ پتی وہ ہوتا ہے جس کے پاس تیس چالیس لاکھ روپیہ ہو۔ پھر ان میں بہت سے کروڑ پتی اور ارب پتی بھی ہیں اور ان کے پاس پچیس پچیس، تیس تیس ارب بلکہ اِس سے بھی زیادہ روپیہ ہے لیکن باوجود اِس کے اللہ تعالیٰ نے ہماری ہی جماعت کو توفیق دی ہے کہ اس کے قربانی کرنے والے افراد اس رنگ میں قربانی کرتے ہیں کہ حیرت آ جاتی ہے۔ لیکن ان کی قربانی ہمارے لیے تسلی کا موجب نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ جماعت کے بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ ان کے سامنے معجزات بھی ہیں، نشانات بھی ہیں، احمدیت کی تعلیم بھی ہے اور ہم نے خداتعالیٰ کو کھینچ کر اُن کے سامنے کر دیا ہے لیکن اُن کے دل کی گرہیں ابھی کُھلی نہیں۔ جو وعدے آتے ہیں اُن سے بھی یہ حقیقت ظاہر ہوتی ہے۔ دفتر والوں نے وعدوں کے فارموں پر ایک خانہ ماہوار آمد کا بھی بنایا ہوا ہے۔ اُس خانہ کی وجہ سے قربانی کرنے والوں کی قربانی کا معیار واضح ہو جاتا ہے۔ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے ناموں کے آگے لکھا ہوا ہوتا ہے ماہوار آمد پچاس روپے، وعدہ تحریک جدید تیس روپے، چالیس روپے یا پینتالیس روپے اور بعض

لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کی آمد اڑھائی تین سو روپیہ ماہوار ہوتی ہے اور وعدہ تحریک جدید پانچ روپے یا دس روپے ہوتا ہے۔ اِس سے اُن کی قربانی کے معیار کا پتا لگتا ہے۔ اگر اڑھائی سو روپیہ ماہوار آمد والا شخص دس روپے وعدہ لکھاتا ہے تو اِس کے معنے یہ ہیں کہ وہ سال میں ایک سَو ساٹھ آنے دیتا ہے۔ اور ایک سَو ساٹھ آنوں کو سال پر تقسیم کیا جائے تو ماہوار تیرہ چودہ آنہ کے درمیان پڑتا ہے۔ اور اگر ماہوار تنخواہ اڑھائی سَو روپیہ ہو تو اِس کے معنے یہ ہوئے کہ وہ چار پانچ آنہ فی سینکڑہ قربانی کرتا ہے۔ لیکن میں نے دفتر والوں کو ہدایت دی ہوئی ہے کہ اگر بڑی آمد والا شخص بھی پانچ روپے وعدہ لکھا دیتا ہے تو تم اس کا انکار نہ کرو۔ بعض دفعہ وہ گھبراتے ہیں اور کہتے ہیں ہم اسے دوبارہ لکھتے ہیں لیکن میں کہتا ہوں رہنے دو۔ اگر کوئی شخص نیکی کی طرف ایک قدم اُٹھاتا ہے تو میرا تجربہ ہے کہ وہ ہمیشہ آگے کی طرف بڑھتا جاتا ہے۔ اور یہ تجربہ اتنا لمبا ہے کہ صرف پہلے پانچ روپیہ کے متعلق مجھے فکر ہوتی ہے۔ جب کوئی شخص پانچ روپیہ دے دیتا ہے تو میں سمجھتا ہوں اب اُس کے نکیل پڑ گئی ہے۔ اسے لذت محسوس ہو گی تو یہی پانچ روپے اگلے سال پچیس یا پچاس روپے بن جائیں گے۔ میں نے ایسے لوگ بھی دیکھے ہیں کہ چندہ کے وقت انہوں نے کہا ہم ایک پیسہ ماہوار چندہ دیں گے اور میں نے کہا اُن سے ایک پیسہ ہی لے لو اور انہیں ثواب سے محروم نہ کرو۔ پھر انہی لوگوں کو میں نے تین تین، چار چار سَو روپے ماہوار دیتے بھی دیکھا ہے کیونکہ آہستہ آہستہ دلوں کی کیفیت بدل گئی۔ میں امید کرتا ہوں کہ جماعت کے دوست اپنا پورا زور لگائیں گے کہ ہر احمدی تحریک جدید میں حصہ لے لے۔

میں نے جو یہ قاعدہ مقرر کیا ہے کہ کم سے کم رقم وعدہ کی پانچ روپیہ ہو اِس میں بھی حکمت ہے۔ اگرچہ میں نے یہ اجازت دے دی ہے کہ اگر کوئی شخص پانچ روپے نہیں دے سکتا تو پانچ آدمی مل کر پانچ روپے دے دیں اور اگر وہ آٹھ آنے دے سکتا ہے تو دس آدمی مل کر پانچ روپے دے دیں۔ بلکہ چاہے تو اسّی آدمی ایک ایک آنہ دے کر پانچ روپیہ دے دیں لیکن کم سے کم وعدہ جو تحریک جدید میں لیا جائے وہ پانچ روپیہ ہو کیونکہ میں نے دیکھا ہے کہ جب کسی کو لذت حاصل ہو جائے تو اس کے بعد وہ بجائے پیچھے ہٹنے کے آگے بڑھتا ہے۔ سوائے

اس کے کہ کوئی بالکل مُردہ ہو جائے اور ایسا شاذ ہوتا ہے۔ عام طور پر جب لذت پیدا ہو جاتی ہے تو انسان کے اندر یہ خواہش پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ دوبارہ اس میں حصہ لے اور بڑھ چڑھ کر لے۔

میں ایک دفعہ دہلی گیا۔ چودھری ظفراللہ خاں اُس وقت تک وزیر نہیں بنے تھے۔ ویسے وہ ایک خاص مقدمہ کی پیروی کے لیے مامور تھے۔ اُن دنوں ہندوستان کی حکومت نے انگلستان سے مالیات کے ایک ماہر کو منگوایا تھا تا کہ بعض اہم باتوں میں اس کا مشورہ لے۔ چودھری صاحب نے اسے مجھ سے ملانے کے لیے دعوت دی۔ گلاب جامن یا رس گلّے رکھے تھے۔اس شخص کے لیے یہ ایک نئی چیز تھی۔ وہ انہیں دیکھ کر گھبرایا۔ چودھری صاحب نے اُسے کہا اِسے کھا کر دیکھو۔ چنانچہ اس نے ایک گلاب جامن یا رس گلّہ اُٹھا کر کھایا۔ چودھری صاحب نے پھر ایک گلاب جامن یا رس گلّہ اُسے دیا تو اُس نے پھر گریز کیا۔ تو چودھری صاحب نے اُسے کہا تم نے پہلا گلاب جامن یا رس گلّہ تو عجوبہ کے طور پر کھایا تھا۔ اب دوسرا گلاب جامن یا رس گلّہ اس کے مزے کی وجہ سے کھاؤ۔ میں نے پوچھا۔ چودھری صاحب! آپ نے یہ کیا کہا؟ تو انہوں نے بتایا انگریزی میں یہ محاورہ ہے کہ پہلی چیز تو عجوبہ کے لیے ہوتی ہے اور دوسری چیز اس کے مزے کی وجہ سے ہوتی ہے۔یہ ایک ضربُ المثل ہے لیکن میں نے روحانیات میں بھی دیکھا ہے کہ پہلے چَسکا لگانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ پھر خود بخود عادت پڑ جاتی ہے۔ دنیا میں بھی دیکھ لو لوگ شراب پیتے ہیں۔ ٹنکچر جس کے استعمال سے تم گریز کرتے ہو، بچوں کو دیتے ہو تو وہ ناک منہ چڑھاتے ہیں اور کہتے ہیں یہ کڑوی چیز ہے ہم نہیں لیتے۔ اس میں الکحل یعنی شراب ہی کا جزو ہوتا ہے۔ جوان لوگ بھی اس سے نفرت کرتے ہیں لیکن یورپ میں لوگ شراب مزے لے لے کر پیتے ہیں اور روکنے کے بعد بھی اسے نہیں چھوڑتے۔

پس ہر چیز کے دو مزے ہوتے ہیں۔ ایک تو اُس کا ذاتی مزا ہوتا ہے اور دوسرا مزا عادت کے نتیجہ میں ہوتا ہے۔ ہمارے ملک میں لوگ زردہ کا استعمال کرتے ہیں لیکن جس نے پہلے زردہ استعمال نہ کیا ہو وہ اگر زردہ کھا لے تو اُس کے سر میں چکر آنے لگتے ہیں۔ ایک دفعہ مجھے نقرس کی تکلیف ہوئی۔ ایک دوست ہندوستان کے تھے انہوں نے کہا آپ پان میں

زردہ ڈال کر کھائیں درد ہٹ جائے گی۔ میں نے کہا میں نے تو زردہ کبھی کھایا نہیں۔ اس لیے اگر میں نے زردہ کھایا تو سر میں چکر آ جائے گا۔ انہوں نے کہا نہیں! آپ استعمال تو کریں۔ اس پر انہوں نے پان میں زردہ ڈال کر مجھے دیا۔ میں نے کھایا۔ اس سے درد میں کچھ کمی واقع ہوگئی۔ اِس پر چند گھنٹوں کے بعد پان میں زردہ ڈال کر مجھے دینے لگے۔ دو دن ہم سفر میں رہے اور اس سفر کے دوران میں وہ مجھے پان میں زردہ ڈال کر دیتے رہے۔ دو دن کے بعد میں نے دیکھا کہ زردہ سے تکلیف کم ہونے لگی۔ تب میں نے اسے چھوڑ دیا کہ کہیں عادت ہی نہ پڑ جائے۔

غرض بڑی تکلیف دِہ اور بدمزہ چیزیں بھی اگر علاج کے طور پر استعمال کی جائیں تو ان کی عادت پڑ جاتی ہے اور وہ اچھی معلوم ہونے لگتی ہیں۔ اور جب ادنیٰ چیزوں کی عادت پڑ جاتی ہے تو دین کی قربانی کی عادت کیوں نہیں پڑے گی۔ ضرورت صرف اِس بات کی ہے کہ انسان کو ایک دفعہ قربانی کے لیے آگے لایا جائے۔ اس کے بعد خودبخود اس کے اندر ذوق پیدا ہو جاتا ہے، اس کے اندر ایک قسم کی تسلی پیدا ہو جاتی ہے۔ پہلے وہ اپنے آپ کو لاوارث سمجھتا ہے لیکن جب وہ خداتعالیٰ کے دین کی خاطر قربانی کرتا ہے تو وہ اپنے آپ کو لاوارث نہیں سمجھتا۔ وہ خداتعالیٰ کو اپنا وارث سمجھنے لگ جاتا ہے اور خداتعالیٰ جب نظر آنے لگتا ہے تو اس کا حوصلہ بڑھ جاتا ہے۔ پہلے وہ معمولی معمولی تکلیف کی وجہ سے گھبرا جاتا تھا لیکن جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو وہ خداتعالیٰ کے آگے سجدہ میں گر جاتا ہے اور اِس سے اُسے تسلی ہو جاتی ہے۔

پس جماعت کو چاہیے کہ وہ تمام افراد کو کھینچ کر تحریک جدید میں شامل کرے۔ میں امید کرتا ہوں کہ اگر وہ پہلے اس میں تھوڑا حصہ بھی لے لیں گے تو بعد میں وہ زیادہ حصہ لینے لگ جائیں گے۔ اِس وقت جماعت کی آمد 25، 26 لاکھ روپیہ ماہوار ہے اور تحریک جدید کے چندے کو ملا کر جماعت کا سالانہ چندہ 13، 14 لاکھ روپیہ بنتا ہے۔ گویا جماعت کی موجودہ آمد میں بھی موجودہ چندہ کا نصف اَور بڑھ سکتا ہے۔ پھر خداتعالیٰ کے فضل سے جماعت بڑھے گی تو آمد بھی زیادہ ہو جائے گی اور اس کے نتیجہ میں چندہ بھی بڑھ جائے گا۔ اس میں لوگوں کی

مخالفت کی پروانہیں کرنی چاہیے۔ لوگوں کی مخالفت کوئی چیز نہیں جس سے ڈرا جائے۔ سینکڑوں لوگ بیعت کرنے کے لیے آتے ہیں اور وہ بتاتے ہیں کہ ہمیں خداتعالیٰ نے بیعت کے لیے کہا ہے اور جس شخص کو خداتعالیٰ بیعت کے لیے کہہ دے اُس کو اگر کوئی روکے بھی تو وہ رُک نہیں سکتا۔

گزشتہ جلسہ سالانہ پر ایک نوجوان نے بیعت کی۔ وہ ایک کٹّر احراری خاندان میں سے تھا۔ پہلے تو میں نے خیال کیا کہ وہ جلسہ پر آ گیا ہے اور وقتی جوش کے نتیجہ میں وہ بیعت کرنے لگا ہے لیکن پھر اُس نے تفصیل بتائی کہ بعض احمدیوں نے مجھے سلسلہ کی کتابیں پڑھنے کے لیے دیں جس سے مجھے احمدیت کی طرف رغبت ہوئی اور میں نے خیال کیا کہ احمدی اتنے گندے نہیں جتنا انہیں کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد جب فتنہ کھڑا ہوا تو میری آنکھیں کھل گئیں اور میں نے خیال کیا کہ یہ کوئی اسلام نہیں جس کا غیراحمدی مظاہرہ کر رہے ہیں۔ اگر ان میں اسلام کی روح ہوتی تو وہ اخلاق سے پیش آتے اور اس قدر ظالمانہ فعل نہ کرتے۔ چنانچہ ان واقعات کا مجھ پر سخت اَثر ہوا اور میں اپنے باپ کے پاس گیا جو کٹّر احراری تھے۔ میں نے ان سے کہا عدل، انصاف اور شریعت ان حرکات کی اجازت نہیں دیتی جو آپ لوگ احمدیوں سے کر رہے ہیں۔ میری بات سن کر انہوں نے کہا نکل جا گھر سے، تُو بے دین ہو گیا ہے۔ اس سے مجھے یقین ہو گیا کہ اسلام صرف احمدیت میں ہے۔ اس لیے میرا باپ بھی سچی بات کو بُرا مناتا ہے۔ اِس سے احمدیت کی صداقت مجھ پر کھل گئی اور میں نے بیعت کا پختہ ارادہ کر لیا۔

پس جب کوئی شخص خداتعالیٰ کے فضل سے احمدیت کے نشانات دیکھ لے تو خداتعالیٰ کی طرف سے اُسے ایک نور ملتا ہے جس سے اُس کا دل منور ہو جاتا ہے۔ بعض لوگوں کو یہ نور نشانات دیکھنے سے پہلے ہی مل جاتا ہے۔ اور جس شخص کو یہ نور مل جائے وہ کسی کے گمراہ کرنے، ورغلانے اور دُکھ دینے سے پیچھے نہیں ہٹتا۔ پچھلی شورش میں بعض ایسے نوجوانوں نے بیعت کی جنہوں نے بتایا کہ ہم دیر سے اس سلسلہ کو اچھا سمجھتے تھے مگر بیعت نہیں کی تھی۔ لیکن اب جب ایک بڑا فتنہ احمدیت کے خلاف اُٹھا تو ہم نے خیال کیا کہ امن کے دنوں میں تو شہادت کا موقع نہیں مل سکتا اب ہر طرف آگ لگی ہوئی ہے اگر ہم احمدیت میں

داخل ہو جائیں تو شہادت کا موقع مل جائے گا۔ ایک نوجوان نے مجھے لکھا کہ میں دل سے دس سال سے احمدی ہوں۔ اس فتنہ کے دوران میں مَیں نے خیال کیا کہ اب احمدیت کی خاطر جان دینے کا وقت آ گیا ہے۔ اگر میں اب بیعت نہیں کروں گا تو کب کروں گا؟

پس اصل چیز ایمان کا پیدا ہو جانا ہے۔ جب کسی کے اندر ایمان پیدا ہو جائے تو اُس کو صداقت کی خاطر قربانیاں کرنے سے کوئی شخص روک نہیں سکتا۔ ایمان پیدا ہو جانے کے بعد سب گڑھے، کانٹے اور سمندر جو بھی رستہ میں آئیں، آنکھوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔ پس ایک دفعہ تمام افراد کے اندر قربانی کا ذوق پیدا کرو اور چھوٹے بڑوں کو تحریک جدید میں شامل کرو۔ چھوٹوں کے اندر ذمہ داری کا احساس پیدا کرو۔ چاہے تم اُن کی طرف سے ایک ایک پیسہ ہی دو لیکن اُن کو تحریک جدید میں شریک ضرور کرو۔ یہ درست ہے کہ اگر وہ الگ طور پر حصہ لیتے تو ہم اُن سے کہتے دوسروں سے مل کر پانچ روپیہ دے دو اور تحریک جدید میں شامل ہو جاؤ۔ لیکن جب اُن کا باپ اور ماں اس میں شریک ہیں تو ان کے لیے کوئی مشکل نہیں۔ باپ یا ماں ان کی طرف سے اپنے چندہ کے ساتھ چار چار آنہ دے کر اُن کو ساتھ ملا لیں اور پھر ان کی طرف سے چندہ لکھانے کے ساتھ ساتھ انہیں بتائیں کہ ان کے لیے اس قسم کے چندوں میں شامل ہونا ضروری ہے۔ پھر اب تو پندرہ بیس والی روک بھی نہیں رہی۔ اگر کوئی شخص اپنی طالب علمی میں چندہ دیتا ہے تو وہ چندہ اب آئندہ تحریک جدید میں حصہ لینے میں روک نہیں بنے گا۔ پہلے چھوٹے بچوں سے چندہ لینے سے دفتر والے گھبراتے تھے اور وہ سمجھتے تھے کہ اگر ہم نے ان سے چندہ لے لیا تو تحریک جدید کی مقرر کردہ مدت دس سال یا انیس سال ان کی طالب علمی میں ہی گزر جائے گی۔ جب یہ جوان ہوں گے اور کمانے لگیں گے تو ہم ان سے چندہ نہیں لے سکیں گے لیکن اب تو یہ روک بھی نہیں کیونکہ اب یہ چندہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

دسویں سال کے بعد جب میں نے دوبارہ تحریک کی تو مجھے خیال تھا کہ چندہ میں کمی آ جائے گی۔ اِسی طرح دس سال کے ختم ہونے پر بھی میں سمجھتا ہوں کہ کچھ کمزوری پیدا ہو گی مگر جو لوگ اِس دفعہ شامل ہو گئے تو اس کے بعد کمزوریٔ ایمان کی وجہ سے

کوئی شخص پیچھے ہٹے تو ہٹے ورنہ ہر احمدی آگے بڑھنے کی کوشش کرے گا۔ کیونکہ جب وہ اپنی قربانیوں کے نتائج دیکھے گا تو اُس کی ہمت بڑھ جائے گی اور وہ سمجھے گا کہ میرا روپیہ ضائع نہیں ہو رہا۔ پس سب سے اہم سوال یہ ہے کہ ہر شخص کو کھینچ کر تحریک جدید میں شامل کر دیا جائے۔ ممکن ہے پھر بھی کوئی شخص رہ جائے وہ دوسرے سال شامل ہو جائے گا۔ جب سب کو عادت پڑ جائے گی تو میں سمجھتا ہوں ہمارا چندہ اِس قدر بڑھ جائے گا کہ جماعت کے لیے اسلامی ممالک کے لڑکوں کو تعلیم دلانا بھی آسان ہو جائے گا اور غیر اسلامی ملکوں میں تبلیغ کا کام بھی وسیع ہو جائے گا اور خداتعالیٰ کے فضل سے غیر مسلموں کو گمراہی اور ضلالت سے بچانے کا سہرا صرف احمدیوں کے سر ہو گا''۔

(المصلح 11 مارچ 1954ء)